سائنسی اور فنی ترقی کا نظریاتی پہلو

پروفیسر عبد القدیر سلیم

آخری قسط

ایک اسلامی معاشرے میں تحقیق و تفتیش اور ترقی کے وظائف ' سرمایہ دارانہ معیشت کے غلام نہیں ہوں گے ' بلکہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کی حقیقی ضروریات کو پورا کرنے کا ذریعہ بنیں گے ۔ اول تو تعلیم و تربیت ہی ایک اسلامی معاشرے میں سادگی کے فروغ اور نمود و نمائش کی حوصلہ شکنی کا باعث ہو گی ' لیکن اگر ان اقدار کے برعکس کچھ بیمار ذہن موجود ہوں تو ان کی تسلی کے لیے سائنس اور ٹیکنالوجی دست بستہ نہ ہوں گے ۔

قرآن مجید ''علم'' کی بات کرتا ہے:

هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (الزمر ۳۹: ۹)

کیا وہ لوگ جو جانتے ہیں [علم ایک فعلیت ہے] اور وہ لوگ جو نہیں جانتے ' برابر ہو سکتے ہیں؟

یہی نہیں ' بلکہ قرآن مجید کے مطابق اللہ کی طرف سے ودیعت شدہ علم ہی وہ قابل امتیاز صفت ہے جو انسانوں کو فرشتوں کے مقابل لاتی ہے اور اسے ان پر فضیلت عطا کرتی ہے:

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ (البقرہ ۲: ۳۱)

[اللہ نے] آدم کو تمام اسما سکھائے اور پھر انھیں فرشتوں کے روبرو پیش کیا۔

قرآن مجید ''آیات'' کی بات کرتا ہے ' مثلاً:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ (حم سجدہ ۴۱: ۳۹)

اور اس کی آیات میں سے یہ ہے کہ تم زمین کو افتادہ دیکھتے ہو ' تو پھر جب ہم نے اس پر بارش برسائی تو اس میں جان پڑ گئی ---- اور

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِى الْاٰفَاقِ وَفِىْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ (حم سجدہ ۴۱: ۵۳)

ہم اپنی آیات عن قریب انھیں آفاق ' اور ان کے انفس میں دکھائیں گے ' یہاں تک کہ ان پر واضح ہو جائے کہ وہی حق ہے۔

قرآن مجید "حکمة" کی بات کرتا ہے:

وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا (البقرہ ۲: ۲۶۹)

جسے حکمت عطا کر دی گئی گویا اسے خیر کثیر دے دیا گیا۔

مگر اب علم و حکمت کا مفہوم ہی بدل گیا ہے۔ بدقسمتی سے انیسویں اور بیسویں صدی میں مغرب کے سیاسی تسلط ' اس کی فوجی برتری اور خوش حالی کو اس کی مخصوص سائنسی فکر کا نتیجہ قرار دیا گیا۔ یہ بڑی حد تک اس کے استحصال ' قدرتی وسائل کی بے محابا لوٹ مار اور ساری دنیا کو نچوڑ کر محدود علاقوں اور ایک محدود آبادی کو لذت و مسرت کے جرعوں سے فیض یاب کرنے کی پالیسی کی بنا پر تھا (ایک دوسری شکل میں یہ صورت اب بھی ہے)۔ اور لوگوں کی طرح برصغیر میں سرسید احمد خاں نے سائنٹفک سوسائٹی کی بنیاد ڈالی۔ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے دس مقاصد میں سے پہلا "مسلمانوں میں یورپین سائنس و لٹریچر کی اشاعت اور اعلیٰ تعلیم کی کوشش کرنا" قرار پایا۔ "علم الادیان" (یعنی انسان ' اس کی ماہیت اور کائنات میں اس کے مقام کی تفہیم) کی بجائے "علم الابدان" یعنی طبیعی علوم اور ان کے جاننے والوں کو مسند فضیلت پر بٹھایا گیا۔ قرآن مجید میں جہاں جہاں "علم" اور اس سے متعلقہ صیغے استعمال ہوئے ہیں ' ان سے مراد علوم طبیعی لیے گئے کہ انھی میں پسماندگی ' ہماری ماندگی کا باعث ہے ' اور ان میں ہماری پیش رفت ہی اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور دنیا و آخرت میں ہماری فلاح کا باعث ہوگی۔ جہاں جہاں "آیات" کا لفظ استعمال ہوا ہے ' اس سے "فطرت" (خالص مغربی اصطلاحی معنوں میں) مراد لی گئی۔

"حکمت" کی اصطلاح بھی ربّانی تقدیس سے محروم کر کے خالصتاً مادی مفہوم کے ساتھ منسلک کر دی گئی۔ بہت زیادہ ستم ہوا ' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان پر کہ "حکمت ' مومن کی گم شدہ اونٹنی / متاع ہے"۔ اور اس کی تعبیر یہ کی گئی کہ ہر قسم کے علم اور فنیات کے ہر جگہ سے اخذ کر لینے کی تو ہمیں ہدایت کی گئی ہے۔ مغرب سے درآمد ہونے والی ہر دریافت کو اپنا لینے اور وہاں تشکیل پانے والی ہر ٹیکنالوجی کو اپنے ہاں مروج کر لینے کے لیے اس قول کو سند کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ کسی عرب یا غیر عرب کے قول اطلبوا العلم ولو بالصین (علم حاصل کرو ' چاہے وہ چین ہی میں کیوں نہ ہو) ---- جو اصولاً ایک درست رویے کی ہدایت کرتا ہے ---- کو حدیث پاک کے طور پر پیش کیا جانے لگا کہ یہ ہدایت تو ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے کہ ہم چین (یا دنیا کے کسی بھی غیر مسلم ملک یا قوم) سے "علم" یعنی "سائنسی علم" حاصل کر لیں ' کیوں کہ چین سے "مذہبِ اسلام"

یا علوم الٰہیہ کا اخذ تو بہرحال نہیں ہو گا' لامحالہ یہاں مراد ''سیکولر'' یا غیرمذہبی علم و دانش ہی سے ہے۔

میرے خیال میں سیکولر علوم میں پیش رفت کی ساری مجنونانہ کوششیں' جو اب کئی مسلم ملکوں میں اور معاشروں میں ''ترقی'' کے واحد ذریعے کے طور پر قبول کر لی گئی ہیں' گھوڑے کے آگے گاڑی باندھنے کی کوشش کے مترادف ہیں۔ اولاً تو ایک زندہ و بیدار قوم کی نشوونما ہمہ گیر و ہمہ جہت ہوگی' کسی ایک شعبے میں نہیں۔ دوسرے اگر کسی شعبے میں اس نے غیرمعمولی ترقی کر بھی لی' تو اس کا نتیجہ جلد یا بہ دیر وسیع تباہی کی صورت ہی میں نمودار ہو گا۔ بیسویں صدی کی دو بڑی جنگیں اور درجنوں مقامی جنگیں' جن میں کروڑوں انسان ہلاک ہوئے' قدرتی وسائل کی بے تحاشا بربادی ہوئی (جو وسائل انسان کی فلاح کے لیے استعمال ہو سکتے تھے) اور انسانیت ایسی تباہیوں سے دوچار ہوئی' جن کی نظیر' انسان کی دس لاکھ سال کی تاریخ میں نہیں ملتی' وہ اسی طرح کی ''ترقیوں'' سے ممکن ہوئیں۔

ایک اسلامی معاشرے میں سائنس و حرفت کے اہداف واضح طور پر متعین کیے جا سکتے ہیں' اور انھی کی روشنی میں ان کی سرگرمیوں کو منظم کیا جانا چاہیے۔ مثلاً' جیسا کہ ہم اوپر دیکھ چکے ہیں' ایک اسلامی معاشرہ' مسرفانہ معاشرہ نہیں ہوتا۔ ایک اسلامی معاشرے میں بازاری معیشت (منڈی کی معیشت) کو ایک ضابطۂ الہامی کے طور پر قبول نہیں کیا جا سکتا' بلکہ وہ انسان دوستی اور خیرخواہی پر اساس رکھنے والا معاشرہ ہوتا ہے۔ اسلامی فکر کے مطابق تمام انسان' بلکہ تمام مخلوق ''عیال اللہ'' ہوتی ہے۔ چوں کہ تمام انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں' لہٰذا انھیں دھوکا دینے' لوٹ لینے' ابلاغ عامہ یا دوسرے ذرائع سے ان کا استحصال کرنے کا کوئی تصور یہاں نہیں ہو گا۔ چوں کہ اس بھری پُری دنیا کے سارے وسائل درحقیقت اللہ کی مِلک ہیں' اور ان میں انسان کا تصرف ایک امین سے زیادہ کا نہیں' اس لیے ''وسائل فطرت کے استحصال'' جیسا کوئی تصور یہاں نہیں ہو گا۔[۱۱] ان اصولوں کی روشنی میں سائنس و حرفت کے لیے کچھ ضابطے متعین کیے جا سکتے ہیں۔

۱- میرے خیال میں اسلام میں حصول علم' انفس و آفاق میں آیات پر غور و تفکر' حکمت کی تلاش' صنعت و حرفت کی ترویج' اور اس طرح کے تمام احکام ایک نہایت کلیدی تصور — ''توحید'' — کے ساتھ غیرمنفک طریقے سے وابستہ ہیں۔ اسلام کے نزدیک تمام مرغوب علوم کا سرچشمہ ذاتِ الٰہی ہے' کہ اسی نے اولاً آدم کو علم سکھایا تھا۔ ہمارا یہ بھی عقیدہ ہے کہ کائنات میں ہر خیر' نیکی' بھلائی' حسن و خوبی' اور تعمیر کا سرچشمہ بھی ذات الٰہی ہی ہے۔ اس کے برعکس علاماتِ شر' بدی' برائی' قبح و نقص اور فساد و تخریب شیطان کی طرف سے ہیں' جو انسان کا ازلی دشمن اور اللہ تعالیٰ کا باغی اور فسادی ہے۔

۲- ایک نظریاتی ریاست اور معاشرے پر لامحالہ یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ کسی بھی علم' حرفت

اور ٹیکنالوجی میں تحقیق و پیش رفت سے پہلے ہی اس کا اندازہ لگانے کی کوشش کرے، کہ اس کے مضمرات کیا ہیں؟ شاید میری یہ معروضات قبولیت اور پسندیدگی کا مقام حاصل نہ کر سکیں گی، مگر میں خلوص دل اور دیانت داری سے یہی سمجھتا ہوں کہ جینیاتی تالیف و تحریف ۱۲ھ، انٹرنیٹ کا نظام (WWW)، الیکٹرانک میل (e-mail) ۱۳ھ، کمپیوٹر کا بے محابا استعمال، ٹی وی کا فروغ، ہائی ٹیک میڈیسن اور سرجری، سریع الحرکت نظام ہائے رسل و رسائل کی روز افزوں ترقی، کیمیائی اور جراثیمی ہتھیاروں اور نیوکلیائی ہتھیاروں کی ترقی اور تیاری، جغرافیائی اور ارضیاتی ماحول کی بڑے پیمانے پر تبدیلی کی کوششیں، انسان کو خود سائنسی حرکیات و منطق کا غلام بنائے دے رہی ہیں۔ ان کی تعمیر اور استعمال میں ناپسندیدہ اخلاقیات کے کھلے کھلے مضمرات موجود ہیں۔ مثال کے طور پر ٹی وی کی معصوم ٹیکنالوجی ہی کو لیجیے۔ آپ کہتے ہیں کہ ہم اس کا اچھا استعمال کریں گے، لیکن کیا اس صنعت و حرفت کی ترقی سے یہ کوئی دور کی بات ہے کہ ایسے دروں ساختہ ڈش انٹینا وجود میں آجائیں، جو دنیا کے سارے پسندیدہ اور ناپسندیدہ چینل آپ کے بچوں کی دسترس میں لے آئیں۔ انٹرنیٹ (WWW) سے صالحین و شیاطین ہر کوئی بہتی گنگا میں اپنا اپنا امرت اور زہر، کوڑا اور غلاظت اور مقدس و مطہر انڈیلنے میں نہ صرف آزاد ہے، بلکہ فی الواقع ایسا کر بھی رہا ہے۔ آپ کہتے ہیں، ہمیں تو یہ اختیار ہے کہ اس بہتے دریا سے جو چاہیں، لیں اور جو چاہیں نہ لیں۔ مگر یہ بالکل وہی دلیل ہوگی کہ آپ ہر کتب فروش اور ویڈیو کے درآمد کنندہ کو ہر کتاب، فلم اور کیسٹ کی درآمد و فروخت کی کھلی اجازت دے دیں اور کہیں کہ یہ اختیار تو بالآخر خریدار ہی کا ہے کہ وہ کیا لیتا ہے، کس سے اغماض برتتا ہے، اور کسے رد کر دیتا ہے۔ پھر کتب فروش آپ کے گھر میں ساری کتابوں کا ڈھیر تو لا کر نہیں ڈال دیتا کہ اس میں سے جو چاہے لے لیجیے اور جسے آپ نہیں چاہتے، نہ لیجیے۔ سیٹلائٹ، ڈش، انٹرنیٹ اور ای۔میل آپ کے گھر کے اندر ہر وہ چیز آپ کو مہیا کر دیتے ہیں جو "عباد الرحمٰن" اور "عباد الشیطان" صالحین و طالحین کو مرغوب و مطلوب ہو سکتی ہے، بلکہ آپ کے چاہے بغیر بھی وہ ایسا کر سکتے ہیں، (اور کر رہے ہیں)۔ اب یہ کوئی مستقبل بعید کا امر امکانی نہیں، بلکہ غیر ملکی پریس میں یہ کہانیاں ایک گرم موضوع بن گئی ہیں کہ معصوم گھر کس طرح اس عالمی شیطانی جال سے پریشان ہو رہے ہیں۔ ایک اسلامی نظریے پر مبنی معاشرے میں ان نظاموں کی ترویج غور طلب ہوگی۔

۳۔ مغرب میں ایسے کئی منظرنامے بڑی سنجیدگی سے زیر بحث ہیں، جن میں ایک دشمن قوت کس طرح بغیر ہتھیار اٹھائے برقیاتی ڈاک، انٹرنیٹ، کمپیوٹر وائرس اور دوسرے برقیاتی نظاموں کے ذریعے اعلیٰ درجے کے ترقی یافتہ مربوط اطلاعاتی ذخیروں اور نظاموں کو تہس نہس کر سکتی ہے۔ مواصلاتی نظاموں کو ناکارہ، بینکوں کو دیوالیہ، ہوائی مستقر کو ناقابل استعمال، جنگی طیاروں کو اندھا اور مفلوج، اور

ساری عسکری مشین کو برباد و منتشر کر سکتی ہے۔ مگر یہ "برقیاتی جارحیت" امریکہ یا اس جیسے کسی "بے حد ترقی یافتہ" ملک ہی کے خلاف ممکن ہے، جس کے سارے ماحولیاتی، مواصلاتی اور عسکری نظام، جدید ترین برقیاتی مشینوں کے مرہون منت ہوں۔ اس جارحیت کے خلاف ان کا موثر ترین دفاع، ان کے دانش وروں کے نزدیک یہی ہے کہ دشمن قوت (مثلاً کوئی اسلامی ملک) بھی اس طرح کے اعلیٰ ترین "ترقی یافتہ" برقیاتی نظاموں سے لیس (یا ان کی گرفت میں) ہو، تاکہ جارحیت کی صورت میں اسے بھی اس طرح کی جوابی جارحیت کا امکانی خطرہ ہو۔ میں The Economist، لندن (۱۳ جنوری، ۱۹۹۶) کی ایک رپورٹ کے آخری پیراگراف کی چند سطور پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں:

"The theoritical danger of cyber war has put the country in an odd position. Military planners normally want to be ahead in the technological game, but, in a way the more "wired" a country is, the more vulnerable it is to this sort of attack. May be America's best defence is to encourage potential enemies to become equally dependent on information technology. Then there would be scope for retaliation".

ایک اسلامی نظریاتی ریاست کے پالیسی سازوں کو جدید فنیات کے فروغ میں مضمر ان امکانات پر بھی سنجیدگی سے غور کرنا ہوگا۔

۴۔ مغرب میں (اور اب اس کے زیر اثر ترقی پذیر اور پس ماندہ ملکوں میں بھی) ٹیلی وژن، بلکہ ابلاغ عامہ کے دوسرے تمام ذرائع کے جو اثرات، ثقافت و تہذیب کی بربادی، خاندان اور سماجی رشتوں کے اتھل پتھل اور مسلمہ اعلیٰ انسانی اقدار کے سقوط و زوال کی صورت میں نمودار ہو رہے ہیں، ان کی وجہ سے بھی اصحابِ فکر تشویش میں مبتلا ہیں۔ امریکی عالم عمرانیات نیل پوسٹ مین کا دعویٰ ہے کہ سماج اور اقدار کی اس وسیع بربادی کا مابعد جدید فنیات (post-modern technology) کے ساتھ ناقابل انقطاع رشتہ ہے، کیوں کہ اس ٹیکنالوجی کی اثر انگیزی اور قوت بے کنار ہے، اور یہ فی نفسہٖ ہمہ مقتدر بن جانے کا رجحان رکھتی ہے۔

۱۹۶۰ کے عشرے میں امریکی پالیسی ساز اور دانش ور برزنسکی نے کہا تھا کہ ہم اب اکیسویں صدی میں داخل ہو چکے ہیں، جسے اس نے تکنیکی برقیاتی عہد (techō-tronic age) کہا تھا۔ پوسٹ مین کے خیال میں امریکی معاشرہ ہی سب سے پہلے اس مابعد جدید فنیات کا شکار ہوا ہے، جو اپنی ماہیت کے اعتبار سے بے اخلاق ہی نہیں، بلکہ بد اخلاق بھی ہے۔ اس نئے نظام میں فیصلہ کی قوت کسی شخص یا کسی معاشرتی ادارے کے ہاتھ سے چھن گئی ہے، اور غیر محسوس طریقے سے، ایک تدریج کے

ساتھ یہ اختیار مشین اور کمپیوٹر کے ہاتھ میں چلا گیا ہے۔

پوسٹ مین نے اس نئے نظام کو technopoly کا نام دیا ہے۔ اس کے تحت ٹیکنالوجی، مشین، برقیاتی ذرائع ابلاغ و علم، کمپیوٹر، انٹرنیٹ، ای۔ میل نے تمام جہات میں انسانی معاشرے کی زمام کار پوری طرح خود اپنے ہاتھ میں لے لی ہے، اور اس نئے فنیاتی نظام کے ہاتھوں افراد اور پورے پورے معاشروں کو لاچار اور بے بس بنا دیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب فرد اور معاشرے کے اختیارات اور ذمہ داریاں بھی بری طرح متاثر ہوئی ہیں۔ معاشرے کو اپنی ثقافتی اقدار متعین کرنے، اپنی فکر اور حد یہ کہ اپنی اخلاقی قدروں کے تعین کی بھی آزادی نہیں رہی ہے۔ انسانوں کے ہاتھ سے اختیار، ابتداً انسان ساختہ مشینوں کو منتقل ہوا، پھر مشین ساختہ، مشینوں کو۔ جب تک مشین کو ڈیزائن کرنے اور اس کی صورت گری مکمل طور پر (تقریباً) انسان کے ہاتھ میں تھی، اسے کچھ نہ کچھ اختیار حاصل تھا کہ وہ کیا بنائے اور کیا نہ بنائے۔ مثلاً وہ کسی مضر ایجاد کو، وسیع طور پر پھیلنے سے روک سکتا تھا۔ مگر اب یوں محسوس ہوتا ہے کہ معاشرے کی صحت کے لیے درکار اس کا حفاظتی نظام بری طرح متاثر ہو چکا ہے۔ ۱۲؎

پیغامات کی ترسیل کی ایک نہ رکنے والی بارش ہے، جس نے متعلقہ اور غیر متعلقہ معلومات کی حدوں کو دھندلا دیا ہے، اور ایک ایسا شور و غوغا پیدا کر دیا ہے کہ معنی آوازوں میں گم ہو گئے ہیں۔ معلومات کے ان لاکھوں اجزا کو مربوط کرنا اور بامعنی نتائج کا استخراج انسان کے بس کی بات نہیں۔ لامحالہ ''مصنوعی ذہانت'' اور کمپیوٹر سے مدد لے کر ہی یہ فیصلے کیے جاتے ہیں کہ ان معلومات کو کس طرح استعمال کیا جائے۔ کون سی مصنوعات، کس قیمت پر، کتنے اشتہاری بجٹ کے ساتھ، اور کب بازار میں لائی ہیں۔ مشین جو اولاً کارزار حیات میں انسان کی مدد کے لیے ایک ہتھیار کے طور پر آئی تھی، اب نہ صرف جنگی حکمت عملی کا تعین کرتی ہے، بلکہ اس کے اہداف بھی خود متعین کرتی ہے اور یہ فیصلہ بھی کرتی ہے کہ حریف کون ہے اور حلیف کون۔ کسے نابود کرنا ہے اور کسے باقی رکھنا ہے، کیا قربان کر دینا ہے اور کسے بچانا ہے؟ امریکی اب اس صُور کی آواز کو سن رہے ہیں، جو روایتی طور پر ابتداً دھیمی اور مدھر تان سے شروع ہوتا ہے، تاہم وہ اس کے سحر میں مسحور ہیں، جب کہ دوسرے ملکوں میں بھی یہ سحر پہنچ چکا ہے۔ اس کے عواقب و نتائج اگرچہ اضطراب انگیز ہیں، تاہم اسے رد کرنا مشکل ہوتا جا رہا ہے۔ پھر دوسری بات یہ ہے کہ ان کے لیے، اس مابعد الطبیعیات کے ساتھ جو انھوں نے اختیار کر لی ہے، اس آرکسٹرا کو ختم کرنا اب شاید ممکن بھی نہیں۔

بات یہ ہے کہ سائنس اور فنیات کی انسان پر بالادستی اور ہمہ جہتی اقتدار کے نتیجے میں جو نظام وجود میں آیا ہے، اس میں کسی فوق الفطرت ہستی کی حاکمیت کے تصور کے لیے کوئی جگہ نہیں، روحانیت

کی کوئی گنجائش نہیں، اور اقدار کا تعین بھی سراسر غیرانسانی، مشینی رویوں اور ترجیحات ہی کی بنا پر ہو سکتا ہے، کیوں کہ انسان بھی ایک مشین ہی ہے۔ ان کے نزدیک علیم و خبیر خدا کی جگہ کمپیوٹر اور انٹرنیٹ نے لے لی ہے، فیصلہ کن قوت بھی اسی کے پاس ہے۔ اگرچہ وہ فیصلے انسان کے ہاتھوں کراتا ہے، اور اس کے ذریعے نافذ بھی کراتا ہے۔ مسلم سائنس دانوں اور دانش وروں کے لیے سب سے بڑا چیلنج یہی ہے کہ وہ ان "مصنوعی ذہانت" کی حامل اور اطلاعی مشینوں کو کس طرح قابو میں رکھیں، کہ وہ ان پر حاوی اور حکمراں نہ ہو جائیں، اور باندازِ دگر "خاندان غلاماں" کی بادشاہت کا پھر سے باب نہ کھل جائے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ کمپیوٹرز اور اطلاعی نظاموں کو کم سے کم اور صرف ناگزیر مخصوص حالات ہی میں استعمال کیا جائے۔ جو امور ان کے بغیر انجام دیے جا سکتے ہوں، یہ اہتمام ہو کہ ان میں انھیں زحمت نہ دی جائے۔ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ ان نظاموں میں استعمال ہونے والے تمام آلات حتیٰ کہ software اور کاغذ تک باہر سے درآمد ہوتے ہیں، اور ان مشینوں کی نئی نسلیں اس تیزی سے وجود میں آ رہی ہیں کہ جتنے عرصے میں آپ ایک مشین بنانے کے قابل ہوتے ہیں، دوسری، آپ کی طمع بھری نظروں کے سامنے ہوتی ہے۔ اس لامتناہی سلسلے کو ختم ہونا چاہیے۔ ۱۴ھ

۵۔ دنیا کی آبادی، جو اس صدی کے شروع میں دو ارب سے کم تھی، اور صدی کے نصف میں اڑھائی ارب ہو چکی تھی، اب سات ارب کی حد کو چھو رہی ہے۔ ۱۵ھ اس کی مادی اور سماجی ضروریات کو پورا کرنا اور ان کے لیے وسائل مہیا کرنا ایک مسئلہ ہے، جس کے لیے سائنس اور فنیات نے آگے بڑھ کر ہماری مدد کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر دوسری طرف اس کے عواقب و نتائج جس بھیانک انجام کی طرف لے جا رہے ہیں، اس کی ابھی چند جھلکیاں ہی نظر آ سکی ہیں۔ امریکہ اور یورپ کی آبادی ان کی زمینوں اور رقبوں کے تناسب سے بہت کم ہے، اس لیے اس انجام کی صحیح اور مکمل تصویر وہاں نظر نہیں آ سکتی، لیکن اس کے نمونے بھارت میں کلکتہ اور بمبئی، نیز ہانگ کانگ، بنکاک اور برازیل میں نظر آتے ہیں۔ ۱۶ھ جنگل کاٹے اور جلائے جا رہے ہیں۔ ہائیڈرو کاربن اینڈ حسن، کیمیائی، نیوکلیائی اور دوسرے فضلوں سے فضا آلودہ اور کرۂ ارض گرم ہوتا جا رہا ہے۔ اوزون کی چھتری میں شگاف پڑ چکا ہے، اور انسانی زندگی کی بقا کی کیفیت بگڑتی جا رہی ہے۔ تاہم بہت سے دانش ور جو جدید سائنس اور فنیات کے تباہ کن اثرات کا شعور رکھتے ہیں، یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ جدید فنیات کو، اس کے بعض منفی اثرات کو منہا کر کے بھی رواج دیا جا سکتا ہے۔ فنیات کے مفید اثرات اور مثبت پہلوؤں کو قبول کر لینا چاہیے، اور اس کے منفی اور مضر عناصر کو رد کر دینا چاہیے۔ لیکن یہ خیال بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ نئی فنیات ایک مکمل نظام ہے۔ یہ بھی اسلام کی طرح گویا کہ "ایک مکمل ضابطہ

حیات" ساتھ لاتا ہے۔ اس کے "اچھے" اجزا کو "برے" اجزا سے جدا نہیں کیا جا سکتا کہ وہ سب مل کر ہی ایک اکائی بناتے ہیں۔

مثال کے طور پر آمد و رفت کے جدید نظام کو لیجیے۔ اندرونی احتراق کے انجن کی ایجاد نے کار اور موٹر سازی کو ممکن بنایا، جس سے تیز رفتار اور بہ سہولت آمد و رفت ممکن ہو گئی۔ لیکن اس کے نتیجے میں بڑے بڑے شہر بھی وجود میں آئے، جن کا سلیقے کے ساتھ انتظام ناممکن ہو گیا ہے۔ شہروں کی فضا آلودگی اور شور سے بھر گئی۔ سکون، یکسوئی اور احساسِ طمانیت رخصت ہوئے۔ صنعت و حرفت اور تجارت و کاروبار کے ان عظیم مراکز میں صبح و شام لاکھوں کارکنوں کی آمد و رفت اور کروڑوں ساعتوں کے ضیاع کے مسائل پیدا ہوئے۔ جسمانی اور ذہنی دباؤ کے نتیجے میں جو جسمانی عوارض، نفسیاتی امراض، تشدد، جنون اور کھوکھلی زندگیاں وجود میں آچکی ہیں، ان سے کون واقف نہیں؟ جدید بلادِ عظیم (megapolis) نے سماج اور معاشرتی اقدار کی شکست و ریخت میں جو کردار ادا کیا ہے، اس سے انکار ناممکن ہے۔ انیسویں صدی کے وسط میں صنعتی معاشرہ اور نظام سرمایہ داری ہم معنی تھے، تب کارل مارکس ایسے معاشرے میں مغائرت اور اس سے پیدا ہونے والے مسائل سے خبردار کر رہا تھا۔ اس کی بھول یہ تھی کہ یہ صورت حال صرف بازاری معیشت والی سرمایہ داری کی پیداوار نہ تھی، بلکہ نئی فنیات سے ظہور میں آنے والے وسیع صنعتی و حرفتی نظام کا تقاضا تھی۔ اب مغرب میں بھی بہت سے دانش ور اس صورت حال سے پریشان ہیں، مگر انھیں اس کا کوئی حل نظر نہیں آتا۔ مسلم مہندسوں/ انجینیروں اور شہری منصوبہ سازوں کے لیے چیلنج یہ ہے کہ کس طرح چھوٹے، خود مکتفی اور صاف ستھرے شہر ڈیزائن کیے جا سکتے ہیں، جو ان مسائل سے پاک ہوں۔ مزدوروں اور کارکنوں کو مقام کار سے قریب رہایش کی سہولت ہو، جہاں سواری کی بھی ضرورت نہ ہو، اس سلسلے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ قیمتی ہدایت ہمارے لیے مشعل راہ ہے، جس میں آپؐ نے فرمایا تھا کہ جب مدینہ کی آبادی فلاں مقام تک پہنچ جائے، تو شہر کو مزید وسعت نہ دینا، اور نیا شہر آباد کر لینا۔

۶۔ نئی سائنس سے وجود میں آنے والی جدید طب پر ایک نظر ڈال لیجیے۔ بلاشبہ اس طب کے نتیجے میں کئی امراض کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ طاعون، ہیضہ، آتشک اور تپ دق پر قابو پایا جا چکا ہے۔ (اگرچہ بعض گوشوں سے یہ تشویش ناک اطلاعات بھی آرہی ہیں کہ تپ دق ایک نئی صورت میں واپس آرہا ہے)۔ لیکن اس ضمن میں دو باتیں قابلِ غور ہیں: ایک یہ کہ جدید طبی ترقی کا سارا انحصار، خلاف حیوی ادویات، جدید کیمیا، حیاتیات، طبیعیات، برقیات اور کمپیوٹر کی سائنس اور فنیات پر ہے۔ ان سب میدانوں میں تحقیق و تفتیش اور ان کے نتیجے میں آلات سازی نے معالجہ کو ایک نہایت مہنگا نسخہ بنا دیا ہے۔ سادہ تشخیص و تجویز اور علاج کی بجائے اب تشخیص، تفتیش اور تجویز کے لیے جو

"ہائی ٹیک" سازوسامان درکار ہوتا ہے، نادار افراد، معاشرے اور ملک اس کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ ان کا بوجھ، فنیاتی طور پر "ترقی یافتہ" ایک امیر ملک یا معاشرہ ہی اٹھا سکتا ہے، یا غریب ملک کے وہ بڑے دولت مند افراد جو باہر جاکر ان برکات سے مستفید ہو سکتے ہیں۔

اسلام، اصولی طور پر تعلیم و علاج میں اس طرح کی تفریق کے خلاف ہے۔ مسلم سائنس دانوں، اطبا اور جراحوں کو Hi-tech medicine یعنی مہنگے معالجے کی بجائے ارزاں طریق علاج کو پروان چڑھانا چاہیے۔

نئی سائنس اور فنیات نے جہاں کچھ امراض کا خاتمہ کیا ہے، نئی دوائیں اور معالجے اختراع کیے ہیں، یا جان بچانے والی دوسری تدبیروں کی راہ دکھائی ہے، وہاں بعض نئے عوارض بھی پیدا کر دیے ہیں۔ نفسی۔جسمی عوارض کے نتیجے میں بڑے صنعتی ملکوں کی آبادی کا خاصا بڑا تناسب نفسیاتی توازن اور مسرت سے بیگانہ ہو چکا ہے۔ چرس، حشیش، کوکین، ہیروئن، کیفین جیسی کیف آور، سکون بخش ممنوعہ اکسیرہائے حیات کے بعد اب Prozac اور اس قبیل کی قانونی منشیات کا استعمال عام ہو چکا ہے۔ نفسی۔جسمی عوارض میں افسردگی، مستقل تھکن کا احساس، بلند فشار دم، ذیابیطس، سرطان، ایڈز اور پھیپھڑوں کی متعدد بیماریاں عام ہیں۔ ان میں سے کئی امراض کا ہائی ٹیک معاشرے کے ساتھ تعلق بہت واضح ہے۔

سماجیات، نفسیات، نفسی معالجے اور دوسرے عمرانی علوم کے مسلم علما کو جدید اور مابعد الجدید دنیا کے ان انسانی مسائل کا حل، اسلامی فکر و فلسفہ کی روشنی میں تلاش کرنا ہوگا، جسے میرے خیال میں ایک جملے میں یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ انسان، دنیا میں انسان کی طرح رہے، خدا بننے کی کوشش نہ کرے۔

اس مضمون میں نئی سائنس و فنیات پر ایک تنقیدی نظر ڈالی گئی ہے، جو نظریے کے حوالے سے ناگزیر تھی۔ اب کیا سائنس دانوں کو اپنی دریافتوں اور تحقیق و تفتیش پر خود آگے بڑھ کر کوئی قدغن لگا دینی چاہیے۔ مغرب میں سائنس دانوں اور دانش وروں کا ایک چھوٹا سا گروہ اس کا جواب اثبات میں دیتا ہے۔ مگر شاید یہ ممکن نہیں۔ شاید ضرورت یہ ہے کہ سائنسی تحقیق و دریافت کی کچھ حدود و قیود ہوں۔ جو کچھ حاصل ہو چکا ہے، پہلے اسی علم کا سلیقے اور تدبر سے انتظام کرنے کی کوشش کریں۔ یہاں انتخاب، جہل کی تاریکی اور علم کی روشنی کے درمیان نہیں، بلکہ مناسب روشنی اور اس خیرہ کن چکاچوند میں ہے، جو بصارت اور بصیرت دونوں کو زائل کر دیتی ہے، اور پھر حادثے کا باعث بن جاتی ہے۔ یہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے بارے میں کوئی "لڈائی" طرح کا رویہ نہیں، بلکہ دانش اور خیر طلبی کا تقاضا ہے۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا (الاحزاب ۳۳:۷۲)

"ہم نے امانت کو آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کے آگے پیش کیا، تو انھوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا، اور اس سے خوف زدہ ہوگئے، لیکن اسے انسان نے اٹھا لیا، بے شک وہ بہت ہی ظالم اور جاہل تھا"۔

یہ امانت کیا تھی؟ اس عمومی علم کی، جو مُحیطِ کُل ہے، جب کہ فرشتے، جاندار و بے جان سب عرفان الٰہی کے ساتھ اپنی مخصوص ماہیت اور خصوصی وظائف کا علم رکھتے ہیں۔ "علم اسماکی جہاں گیری" کے ساتھ انسان نے اپنے اس کردار کی ہامی بھر لی، جو نہایت خطرناک گھاٹیوں اور رہ گزاروں سے ہوتا ہوا اسے جنت کی طرف بھی لے جا سکتا ہے اور جہنم کی طرف بھی۔ قرآن مجید میں کہا گیا ہے کہ "جس دن ہم جہنم سے پوچھیں گے 'کیا تو بھر گئی ہے؟ اور وہ کہے گی: ھل من مزید؟" ۱۸ یہ "ھل من مزید" جہنم ہی کی پکار نہیں، فطرت انسانی کی بھی پکار ہے۔ صحت مند بھوک، انسانی صحت و نشو و نما کی ضامن ہے مگر جوع البقر اور استسقا اجل کے پیغام بر ہیں۔ اسی طرح علم و حرفت کی بے قید طلب اور ہوس بھی پورے پورے معاشروں بلکہ ساری انسانیت کے لیے پیک اجل ہے۔ ہمارے اور ساری دنیا کے پالیسی ساز اس حقیقت کو جس قدر جلد پالیں اور اس کے مداوا کی تدبیر کرلیں، اسی قدر بہتر ہو گا۔

اند کے پیشِ تو گفتم غمِ دل ترسیدم که تو آزرده شوی ورنه سخن بسیار است

حواشی

۱۱۔ یہ ظالمانہ اصطلاح اب بے تکلفی سے مسلم اور غیر مسلم بھی استعمال کرتے ہیں۔

۱۲۔ فلیغیرن خلق الله۔ شیطان نے کہا "میں انھیں ضرور گمراہ کروں گا، انھیں ضرور امیدیں دلاؤں گا، اور ضرور ہی انھیں حکم دوں گا..... تو وہ اللہ کی بنائی ہوئی صورت کو بدل دیں گے" (النسا ۴=۱۱۹)

۱۳۔ World Wide Web ایک ایسا بے تار برقی کا جال ہے، جس کے ذریعے کمپیوٹر اور متعلقہ آلات رکھنے والے ان ساری "معلومات" اچھی اور بری، مطلوب و نامطلوب سے مستفید ہو سکتے ہیں، جو اس نظام میں "انڈیلی" جا چکی ہیں، اور اس "بہتی گنگا" میں ہر ایک اپنا علم و حکمت اور جہالت و گندگی داخل کر سکتا ہے۔ e-mail آپ کا برقیاتی ڈاک کا ڈبہ ہے، جس میں ہر شخص اپنا برا "پیغام" ڈال سکتا ہے۔

۱۴۔ تھیوڈور جے کیچ زنسکی (Kaczynski)، اور نام نہاد "یونا بامبر" سائنس اور ٹیکنالوجی کے نقار خانے میں طوطی کی آواز سے زیادہ نہیں۔ جدید Technopolity نے اٹھارہ سال کی تگ و دو کے بعد (اگر یہ بات صحیح ہے تو) اس ننھی سی پھانس کو ڈھونڈ نکالا ہے، جو اس کے لیے ایک امکان بعید کا خطرہ بن سکتی تھی۔ اب اس پر سائنس دانوں کے قتل اور سائنسی اسٹیبلشمنٹ کو تباہ کرنے کا الزام عائد کیا جا رہا ہے۔ جدید سائنسی و فلسفیانی

ریاست کے لیے اگرچہ کیچ زنسکی کا تجزیہ بڑی حد تک صحیح ہے، لیکن اس مسئلہ سے نبرد آزما ہونے کے لیے اس کا طریق درست نہیں۔ ہمیں یہ دیکھنا ہو گا کہ حیات انسانی کی باوقار بقا کے لیے ہم کیا کر سکتے ہیں۔

15- Paul Kennedy, pp 23 ,33.

16- Herbert Giradet: The Gaia Atlas of Cities, (Sick Cities, Sick World), pp. 67-115, Anchor Books, New York, 1992.

۱۷۔ Luddites' ۱۸۱۱-۱۳ میں مشینوں کے خلاف بلوہ کرنے والے، جو ایک فرضی کردار جنرل لد کے پیروکار بتائے جاتے تھے، اور ان کا دعویٰ تھا کہ مشینی صنعتی انقلاب، بے روزگاری اور انسانی فلاکت کا باعث ہو گا۔

۱۸۔ یَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ (ق ۵۰: ۳۰)

گلشن اقبال کراچی میں خواتین کے لیے دینی و تحریکی کتب کا مرکز

ڈیسنٹ بک پوائنٹ

DECENT BOOK POINT

اسپیشل فیچر: بچوں کے لیے کتابیں ہی کتابیں

منشورات لاہور کے سب کتابچے/سیکڑے کے حساب سے لیں اور پھیلائیں

دعوۃ اکیڈمی اسلام آباد کی دلکش اور ارزاں کتب/خصوصاً بچوں کی

تحریکی مکتبوں کی سب ضروری کتابیں / مروجہ رعایتوں کے ساتھ

بیرون ملک سے آنے والے ایک دفعہ ضرور آئیں اور ڈھیروں کتابیں لے جائیں۔

اوقات:
خواتین اور بچوں کے لیے: صبح ۱۰ بجے سے رات ۱۰ بجے تک
مردوں کے لیے: شام ۶ بجے سے رات ۱۰ بجے تک

اے-57، بلاک 5- گلشن اقبال، نزد مدنی مسجد، جامعہ ابوبکر- کراچی
Ph: 4967661